۱۴

فرمودہ ۲۲ جون ۱۹۲۶ء بمقام

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۝ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ۝ فَرَاغَ اِلٰۤى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ۝ فَاَقْبَلُوْۤا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ۝ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ۝ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۝ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۝ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ۝

مَیں نے اس وقت جو چند آیات اللہ تعالیٰ کے مقدس اور ہادی کلام میں سے پڑھی ہیں وہ خصوصیت سے اس دن کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جو آج ہم پر گذر رہا ہے۔ یہ دن اسلامی اصطلاح کی رو سے عید کا دن ہے۔ اور اس کا تعلق خصوصیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یادگار کے طور پر خصوصیت کے ساتھ اس دن کی یاد کو تازہ رکھا جاتا ہے۔ خصوصیت سے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں سے آگاہ ہونا انسان کے لئے ناممکن ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسی کام کے متعلق اس کی کیا حکمت ہے اور پھر ایک ہے یا کئی حکمتیں ہیں۔ البتہ جو بتا دی جاتی ہیں ان کے متعلق ہم کسی حد تک کچھ کہہ سکتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کچھ حکمتیں ہوتی ہیں۔ عیدِ ضحیٰ کے دن میں بھی بعض حکمتیں ہیں ان میں سے بہت سی

ہم کو نہیں بتائی گئیں لیکن جو بتائی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یادگار ہے۔ ہم اسے عید اور بھر قربانی کی عید کہتے ہیں۔ اور قربانی کی عید سے ہماری یہ مراد ہوتی ہے کہ اس دن آسودہ حال لوگ بکروں یا گائیوں یا اونٹوں کی قربانیاں کریں۔ خود بھی کھائیں اور دوسروں کو بھی کھلائیں۔

اس عید کے دن کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس دن قربانی کی جاتی ہے اس کے سوا مسلمانوں کے لئے ایک اور بھی عید ہے جو عیدالفطر کہلاتی ہے اُس میں اور اس عید میں ایک فرق ہے جسے ہر شخص محسوس کرتا ہے۔ پہلی عید فاقہ کی عید تھی وہ ایک مہینہ فاقہ کرنے کے بعد آتی ہے اپنی کسی غرض کے لئے نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کی رضا کے لئے فاقہ سے رہتے ہیں۔ مگر آج کی عید کھانے پینے کی عید ہے اور جس طرح اس عید سے پہلے محض خدا کی رضا کے لئے فاقہ کئے اسی طرح خدا تعالےٰ کی خاطر آج گوشت کھائیں گے۔ تو دونوں میں فرق نمایاں ہے، ایک میں فاقہ دوسری میں کھانا۔
یہ میری منشاء نہیں کہ مسلمان عیدوں پر محض اس لئے خوش ہوتا ہے کہ ایک میں فاقہ کرتا ہے اور دوسری میں گوشت کھاتا ہے۔ بلکہ میری منشا یہ بتانا ہے کہ مسلمانوں کی عید درحقیقت فرمانبرداری میں ہے جو اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ تکلیفوں کے اٹھانے کی وجہ سے خوشی ہے وہ بھی نادان ہیں اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ خوشی صرف کھانے پینے میں ہی ہے، وہ بھی نادان ہیں۔ خوشی ان میں نہیں بلکہ خوشی اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں فاقہ کرنا پڑے یا کھانا کھانا پڑے تو یہی خوشی ہوتی ہے اور یہی عید ہے۔

ضرب المثل کے طور پر یہ بات مشہور چلی آتی ہے کہ ایک بھیڑیئے اور ایک شیر کے درمیان سردی کے بارے میں اختلاف ہوگیا۔ شیر کہے سردی پوہ کے مہینے میں زیادہ ہوتی ہے بھیڑیا کہے ماگھ کے مہینے میں زیادہ ہوتی ہے۔ آخر جب جھگڑا بڑھا تو قرار پایا کہ لومڑی سے فیصلہ کرالیا جائے چنانچہ انہوں نے لومڑی سے پوچھا۔ اس نے دیکھا اگر میں پوہ کہتی ہوں تو بھیڑیا کھاجاتا ہے اور ماگھ بتاتی ہوں تو شیر بگڑتا ہے یہ سوچ کر اس نے کہا ؎

سنو سنگھ سردار بھگیلا رائے جی　　پالا پوہ نہ پالا ماگھ جی
پالا مینہہ نہ، پالا وا جی

یعنی پوہ اور ماگھ میں سردی نہیں ہوتی۔ سردی سرد ہوا سے ہوتی ہے تو یہ سمجھنا کہ خدا فاقوں سے خوش ہوتا ہے یا گوشت کھانے سے خوش ہوتا ہے۔ غلط ہے

بعض قوموں میں فاقہ کشی کا بڑا رواج ہے۔ وہ کثرت سے فاقہ کشی کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں خدا تعالےٰ کھانے پینے سے نہیں بلکہ فاقہ کشی سے خوش ہوتا ہے۔ سادھو۔ رومن کیتھولک اور

مسلمان فقراء کا بھی ایک گروہ اسی قسم کا ہے وہ فاقہ پر فاقہ کرتے ہیں۔ اور دوسری قسم کی ریاضتیں بھی کرتے ہیں۔ غرض وہ اس قسم کی نفس کشی سے سمجھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ ان سے ہی خوش ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں بعض قومیں ایسی ہیں جو کہتی ہیں کھاؤ پیو، یہی رضاء الٰہی کا ذریعہ ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں خدا تعالےٰ نے ہر چیز ہمارے لئے پیدا کی ہے اس لئے وہ انتہائی کوشش کرتے ہیں کہ ان سے فائدہ اٹھائیں اور خوب کھاتے پیتے رہیں۔ انہوں نے قربانیوں کے معیار کو رد کر دیا، ان کی عید یہی ہوتی ہے کہ خوب کھائیں پئیں۔ روزے ان میں اگرچہ ہیں لیکن ان لوگوں کی بہت کم توجہ ادھر ہوتی ہے۔ مثلاً ہندوؤں میں بعض ایسے فرقے ہیں[۱] جن کا کھانے پینے پر زور ہوتا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے یہ چیزیں پیدا ہی اس لئے کی ہیں کہ انسان انہیں کھائے پیئے۔ پس ایک گروہ اگر ایک طرف جھکا ہے تو دوسرا دوسری طرف۔ اور جس طرف کوئی جھک گیا دوسری طرف اس سے بالکل چھٹ گئی۔

لیکن اسلام وسطی تعلیم[۲] لے کر آیا ہے۔ چنانچہ اس نے جو عیدیں مقرر کیں، ان میں سے ایک فاقہ کے ساتھ آتی ہے اور دوسری کھانے پینے کے ساتھ۔ ایک میں انسان اگر فاقہ کرتا ہے۔ تو خدا کے حکم کے ماتحت اور دوسری میں اگر کھاتا ہے تو خدا کی منشاء کے مطابق۔ اس پر خدا تعالیٰ کہتا ہے تم نے میرے لئے فاقے کئے اور میرے لئے خوشی منائی اس لئے میں بھی خوش ہوں۔ پھر ایک اور خوشی بھی انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس موقعہ پر اپنے رشتہ داروں کو بھی کھلاتا ہے، دوستوں کو بھی کھلاتا ہے، ہمسایوں کو بھی کھلاتا ہے، غرباء اور مساکین کو بھی کھلاتا ہے اس میں بھی اسے ایک خوشی ہوتی ہے۔ لیکن ان سب سے بڑی وہی خوشی ہے جو انسان کو اس لئے ہوتی ہے کہ میں نے خدا کے واسطے خوشی کی اور خدا میرے خوشی کرنے پر خوش ہوا۔

پس نہ فاقوں سے خدا تعالےٰ خوش ہوتا ہے اور نہ کھانے سے خوش ہوتا ہے بلکہ اطاعت سے خوش ہوتا ہے۔ اگر کوئی فاقہ کرتا ہے اور وہ فاقہ خدا کے حکم سے نہیں تو اس کے فاقہ سے خدا تعالےٰ ہرگز خوش نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسا فاقہ کرنے کے لئے اسے خدا نے حکم نہیں دیا۔ اسی طرح اگر وہ کھاتا ہے اور عمدہ عمدہ کھانے کھاتا ہے مگر ایسے کھانے کھانے کے لئے اسے خدا نے حکم نہیں دیا، تو اس پر خدا تعالےٰ ہرگز راضی نہیں ہوگا۔ پس خدا صرف فاقہ اور کھانے سے خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ اطاعت سے خوش ہوتا ہے۔ انسان اگر اس کی اطاعت میں فاقہ کرتا ہے یا اس کی اطاعت میں کھاتا ہے تو خدا تعالےٰ خوش ہوتا ہے کیونکہ اس میں اس کی اطاعت ہے اور اطاعت یہی تو ہے کہ اگر وہ کہے کھاؤ تو کھاؤ اور اگر وہ کہے کہ فاقہ کرو تو فاقہ کرو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، عید کے دن شیطان روزے سے ہوتا ہے[۳] اس سے بھی

معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی خوشی نہ کھانے میں ہے نہ فاقے میں۔ بلکہ اس حکمت کے ماتحت ہے کہ انسان دونوں عیدوں پر ایک قسم کی قربانی کرتا ہے اور خدا تعالےٰ کا حکم بجا لاتا ہے۔ تو عیدین ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ جس طرح خدا کی خاطر فاقہ کرنا پڑا تو فاقہ کیا اور اچھے اچھے کھانے چھوڑ دیئے۔ اسی طرح اگر خدا کی خاطر اچھے اچھے کھانے کھانے پڑیں تو کھاؤ۔ کیونکہ اس میں تمہاری اپنی منشاء اور خواہش کو دخل نہیں صرف خدا کی منشاء کی متابعت ہے۔ ایسے لوگوں میں سے جو اچھا کھانے اور اچھا پہننے پر اس لئے اعتراض کیا کرتے ہیں کہ خدا ان باتوں سے خوش نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی اعتراض کیا۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے تھے ایک دفعہ میں بازار سے گذر رہا تھا کہ ایک ڈپٹی صاحب میرا راستہ روک کر تعجب سے کہنے لگے میں نے سُنا ہے مرزا صاحب بادام روغن اور پلاؤ کھا لیتے ہیں۔ اور سنا تھا ہی کہا۔ فقریں تو یہ باتیں جائز نہیں۔ میں نے کہا۔ اسلام میں یہ چیزیں جائز ہیں۔ اس لئے آپ استعمال کرتے ہیں۔ تو بعض کا خیال ہے کہ اچھی غذا اور اچھے لباس سے خدا خوش نہیں ہوتا۔ حالانکہ بعض موقعے ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر اچھا کھانے اور اچھا لباس پہننے سے ہی خدا خوش ہوتا ہے۔

آج کا دن جو عید اضحیٰ کا دن ہے یہ بھی ان موقعوں میں سے ایک موقعہ ہے۔ جن پر خدا تعالیٰ اچھا کھانے اور اچھا پہننے سے خوش ہوتا ہے۔ آج نہ صرف یہ حکم ہے کہ آپ کھاؤ۔ بلکہ یہ حکم بھی ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی کھلاؤ۔ چنانچہ اس حکم کی متابعت میں کوئی مسلمان گھر نہیں رہ جاتا جس میں گوشت نہ پہنچ جاتا ہو۔ غلطی سے رہ جائے تو رہ جائے تقسیم کرنے والوں کی بھول سے کسی کے گھر گوشت نہ پہنچ سکے تو نہ پہنچ سکے ورنہ جس رنگ میں اس دن کے احکام ہیں ان کی رُو سے ہر مسلمان گھر میں پہنچتا ہے۔ اور ہر مسلمان اس دن کھانے کا خاص اہتمام کرتا ہے۔ پس یہ دن بتاتا ہے کہ اس دن خدا تعالےٰ کی خوشی فاقہ میں نہیں بلکہ کھانے پینے میں ہے۔

خدا تعالےٰ کی نعمتوں سے مستفیض ہونا بھی شکر گزاری میں داخل ہے اور نعمتوں کی بے قدری انسان کو خدا تعالےٰ کی نگاہ میں مقہور بنا دیتی ہے۔ ایک دفعہ جب بہت سا مال آیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار سے کہا۔ تم نے بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں۔ آؤ میں تمہیں مال دوں کیونکہ تم نے مہاجرین کو اپنا مال دیا تھا۔ انصار نے سمجھا کہیں ہماری قربانیوں میں شبہ نہ پڑ جائے۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا۔ یہ مہاجرین کو ہی دے دیا جائے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ تم نے نعمت کو ردّ کیا اب ان کو تو اس دنیا میں بھی ملے گا مگر تم کو قیامت کو ہی ملے گا۔ تو انعام کا ردّ کرنا معمولی بات نہیں

یہ سلبِ نعمت کا سبب ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی شخص انعام کو رد کرتا ہے تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھ سے نعمتوں کے دروازہ کو بند کرتا ہے۔ آج کا دن بھی ایک ایسا دن ہے جس میں عمدہ کھانے کھانا اور اچھے کپڑے پہننا خدا تعالےٰ کا انعام ہے۔ اور اس انعام کو رد کرنا خدا کی خوشی کا باعث نہیں ہوسکتا بلکہ اُلٹا اس کی ناراضگی کا موجب ہوجاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں ایک شخص دودھ لایا۔ آپؐ نے دودھ پیا اور پینے کے بعد دائیں بائیں دیکھا۔ دائیں طرف ایک لڑکا بیٹھا تھا اور بائیں طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے لڑکے سے مخاطب ہوکر فرمایا شریعت نے دائیں طرف والے کا حق بے شک مقدم رکھا ہے مگر کیا میں یہ دودھ عُمر کو دے دوں؟ لڑکا فوراً بول اُٹھا یا رسول اللہ! میں تبرک پر ایثار نہیں کرسکتا۔ دودھ مجھے دیدیں اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق کو منظور کرلیا اور اسے دیدیا۔[۵]

شیخ عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مجھ پر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ میں نہیں کھاتا جب تک خدا مجھے نہیں کہتا۔ اے جیلانی! تجھے میری قسم کھا۔ اور میں کپڑا نہیں پہنتا جب تک خدا مجھے نہیں کہتا۔ اے جیلانی! تجھے میری قسم کپڑا پہن۔[۶] پھر لکھا ہے جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خوراک نہایت اعلیٰ ہوتی تھی۔ اور اسی طرح ان کا لباس بھی اس وقت کے لحاظ سے بہت قیمتی اور بہترین ہوتا تھا۔ بلکہ کئی دفعہ وہ بادشاہ کے لباس سے بھی بڑھ کر ہوتا۔ بعض دفعہ ان کا کپڑا ایسا اعلیٰ ہوتا کہ ایک ہزار اشرفی ایک گز قیمت کا ہوتا۔[۷] روایات میں اکثر اختلاف ہوجاتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس روایت میں بھی اختلاف ہو۔ لیکن یہ بات درست تھی کہ وہ اللہ تعالےٰ کے حکم کے ماتحت کھاتے اور اسی کے حکم کے ماتحت پہنتے تھے اور اسی میں اللہ کی رضا ہوتی ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کے حکم کے ماتحت کھائے پیئے اور دوسرے کام کرے۔

حضرت مسیح ناصریؑ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ وہ ایک جگہ جارہے تھے۔ کچھ حواری بھی ساتھ تھے۔ روزوں کے دن تھے۔ ان کے روزے مسلمانوں جیسے روزے نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ معمولی کھانے پینے سے پرہیز ہوتا تھا۔ وہ جب جارہے تھے تو ان کے شاگردوں نے راستے سے سٹے توڑ کر کھائے۔[۸] اس میں کچھ شک نہیں کہ عیسائیوں کیلئے بھی روزوں کے دن آتے ہیں۔ مگر وہ روزے ایسے نہیں ہوتے جیسے مسلمانوں کے۔ سَو روزے بھی اگر ایک عیسائی رکھے تو بھی مسلمانوں کے ایک روزہ کے برابر نہیں ہوتے۔ تو باوجود اس کے کہ ان لوگوں کے لئے روزے بہت ہلکے تھے تاہم حضرت مسیحؑ کے شاگرد روزہ نہ رکھتے تھے۔ انجیل میں

لکھا ہے ان کے روزہ نہ رکھنے کی حالت کو دیکھکر یوحنا کے شاگردوں نے حضرت مسیحؑ کے پاس آکر اعتراض کیا کہ "تیرے شاگرد روزہ نہیں رکھتے" حضرت مسیحؑ نے جواب دیا۔

"کیا براتی جب تک دولہا ان کے ساتھ ہے اُداس ہو سکتے ہیں۔ لیکن وے دن آئینگے کہ دولہا ان سے جدا کیا جائے گا۔ تب وے روزے رکھیں گے۔"[۱۱]

اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ گو ان کے روزے مقرر تھے مگر اس وقت رضاءِ الٰہی اسی میں تھی کہ حضرت مسیحؑ کے شاگرد کھائیں اور پئیں۔

جو لوگ اللہ تعالےٰ کی رضاء کے خواہاں ہوتے ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ اس کی رضاء اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہے۔ نہ کھانے میں اس کی رضاء ہے اور نہ فاقہ میں اور نہ اچھا پہننے میں ہے اور نہ ننگا رہنے میں۔ جس وقت اس کی رضاء ہو کہ انسان کھائے اس وقت اگر انسان نہ کھائے تو مجرم ہے اسی طرح پینے کے متعلق ہے اسی طرح پہننے کے متعلق ہے کہ اگر اس کی رضاء اس میں ہو کہ انسان فلاں کام کرے تو ایسا ہی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے ہر شخص کو چاہیئے کہ دیکھے خدا تعالےٰ کیا چاہتا ہے۔ اور پھر اس کے مطابق کام کرے تا اس کی رضاء کا پانے والا بنے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک جنگ کو جا رہے تھے بعض صحابہ نے روزے رکھے ہوئے تھے۔ جب موقعہ پر پہنچے تو جو روزہ دار تھے وہ تو پہنچتے ہی زمین پر جا پڑے اور کچھ کام نہ کر سکے۔ اور جو بے روزہ تھے وہ کام پر لگ گئے۔ اور انہوں نے فوراً تمام انتظام کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح بے روزہ، روزہ داروں سے بڑھ گئے۔[۱۲] تو ہر ایک چیز کا مقام ہوتا ہے۔ جس موقع پر جس رنگ میں خدا کی رضاء حاصل ہو سکتی ہو اسی رنگ میں حاصل کرنی چاہیئے۔ اگر آج کوئی شخص روزہ رکھ لے اور بال بچوں کو بھی رکھا دے تو وہ مجرم ہوگا۔ یا اگر باوجود استطاعت رکھنے کے بجائے عمدہ کھانوں کے صرف دال پکالے تو وہ بھی مجرم ہے۔ پس ایک سبق یہ ہے کہ انسان خدا کی رضاء کے موقعہ و محل کو دیکھے اور پھر اس کے مطابق عمل کرے۔ اگر وہ موقعہ عمدہ کھانے اور عمدہ پہننے کا ہے تو عمدہ کھائے اور عمدہ پہنے کہ اس میں ہی رضاء الٰہی ہے۔ اور اگر وہ وقت فاقہ کا ہے تو اس وقت فاقہ کرے کہ رضاء الٰہی اس وقت اسی میں ہے۔

دوسرا ایک اور سبق بھی ان عیدین سے ملتا ہے۔ مگر اس سبق سے پیشتر ان ہر دو کے مابہ الامتیاز کو مدِنظر رکھنا چاہیئے۔ ایک عید کو قربانی کی عید کہتے ہیں۔ جو آج ہم پر گذر رہی ہے۔ یہ عید قربانی سے پہلے ہے اور دوسری عید جو ہے وہ قربانی کے بعد ہے۔ وہ روزوں کی عید کہلاتی ہے۔ روزوں کی عید قربانی کے بعد آتی ہے کیونکہ روزہ رکھنا قربانی ہی ہے مگر جو آج کی عید ہے یہ

قربانی سے پہلے ہوتی ہے نہ کہ قربانی کے بعد یا پھر قربانی کے ساتھ یعنی اسی دن عید اور اسی دن قربانی ہوتی ہے۔ اور نماز کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ عید پہلے ہے اور وہ پیچھے۔ تو یہ اختلاف بھی ایک نکتہ ہے اور اس میں بھی ایک سبق ہے۔

ان عیدوں میں جو فرق ہے وہ یونہی نہیں۔ اس نکتہ پر جو اس فرق میں ہے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت اس کے اندر نبوت کا ایک انکشاف کیا گیا ہے۔ اگر ہم اس بات کو مدنظر رکھیں کہ ایک میں عبادت بعد میں آتی ہے اور ایک میں ساتھ ہی یا پہلے تو اس میں نکتہ یہ ہے کہ پہلی عید میں جو روزوں کی عید ہے آہستہ آہستہ نفس کی قربانی ہوتی ہے اور ایک شخص برابر یہ قربانی کئے جاتا ہے اور اس کے بعد اس کو عبادت کی توفیق ملتی ہے۔ مگر اس عید میں نفس کی قربانی آہستہ آہستہ نہیں ہوتی۔ بلکہ یکدم ہوتی ہے اور عبادت اس قربانی سے پہلے کی جاتی ہے۔ روزوں کی عید میں روزوں کے ذریعہ اپنے نفس کی قربانی کی جاتی ہے مگر اس عید میں بکرے کی قربانی ہوتی ہے اور بکرے کی قربانی کو اپنی جان کی قربانی کے برابر سمجھنا چاہیئے۔ اس میں یہ نکتہ بتایا گیا ہے کہ انسانی اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک عمل ایسا ہوتا ہے کہ عبادت کی توفیق قربانی کے ساتھ ملتی ہے اور ایک ایسا عمل ہوتا ہے کہ قربانی کی توفیق عبادت کے ساتھ ملتی ہے۔ پہلی قسم کے اعمال میں قربانی پہلے کرنی پڑتی ہے۔ اور تزکیۂ نفس پیچھے حاصل ہوتا ہے اور دوسری قسم کے اعمال میں پہلے تزکیۂ نفس حاصل ہوتا ہے اور پھر قربانی کرنی پڑتی ہے۔

ان دونوں قسم کے اعمال کے نمونوں میں ایک فرق واضح ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پہلی قسم کے اعمال میں تزکیۂ نفس سے پہلے جو قربانی کی جاتی ہے اس کا کرنے والا قربانی کی خواہش آہستہ آہستہ کرتا ہے۔ اور دوسری قسم کے اعمال میں جن میں تزکیۂ نفس یعنی عبادت پہلے کی جاتی ہے۔ قربانی کرنے والا شخص قربانی کی خواہش یکدم کرتا ہے جس عمل میں قربانی کی خواہش آہستہ آہستہ کی جاتی ہے اس میں تزکیۂ نفس دیر کے بعد ہوتا ہے۔ چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی قومیں جن کو آہستہ آہستہ قربانی کے موقعے ملے ہیں، ان کا تزکیۂ نفس بھی آہستہ آہستہ ہوا۔ اور وہ قومیں جنھیں یکدم قربانی کرنے کے موقعے ملے، ان کا تزکیۂ نفس بھی فوری طور پر ہوا۔ چنانچہ جو انبیاء مثیلِ موسیٰ کہلاتے ہیں ان میں تزکیۂ نفس اور قربانی ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ ان کے لئے سامان ہی ایسے کئے جاتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں اکٹھی ہی ہوتی ہیں۔ اور وہ انبیاء جو مثیلِ عیسٰےؑ کہلاتے ہیں۔ ان میں قربانی آہستہ آہستہ ہے اور ان کا تزکیہ بھی دیر سے ہوتا ہے۔ روزوں والی مثال کا مطلب یہ ہے کہ آہستہ آہستہ قربانی کی جاتی ہے اور چونکہ قربانی آہستہ آہستہ کی جاتی ہے اس لئے تزکیہ بھی آہستہ آہستہ ہوتا ہے اور ان کی تربیت بھی آہستہ آہستہ ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں لوگ تزکیہ میں یکدم ترقی کر گئے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت چونکہ قربانی آہستہ آہستہ تھی، تزکیہ بھی آہستہ آہستہ ہوا۔

حضرت موسیٰ کے وقت ایسا نہیں ہوا۔ ان کے وقت یہ باتیں معًا ہوئیں اور لوگ تربیت میں تیزی کے ساتھ بڑھ گئے تزکیہ میں بھی سرعت کے ساتھ ترقی کرلی۔ اور عام ترقی میں بھی اس وقت کے لوگوں پر فوقیت حاصل کرلی۔ حتیٰ کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں لوگوں کو اس قدر الہام ہوتے تھے کہ لوگوں کو شبہ پڑگیا تھا کہ شاید یہ بھی نبی ہوجائیں گے۔ قرآن کریم میں جو واقعات ان کے بیان کئے گئے ہیں وہ ان کی عام حالت نہیں وہ یہود پر حجت پکڑنے کے لئے لائے گئے ہیں۔ اور اگر ان واقعات کو ان کی عام حالت سمجھ لیا جائے تو یہ درست نہ ہوگا۔ کیونکہ جو مثالیں بیان کی گئی ہیں وہ جرم کی مثالیں ہیں۔ ورنہ عام حالت معًا روحانی ترقی کرتی چلی گئی ہے۔ توریت میں آتا ہے لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آکر شکایت کی کہ آپ کے ماننے والے کثرت سے الہام پانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ میں تو چاہتا ہوں سب نبی ہوجائیں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم درحقیقت روحانی ترقی کے منازل کو بہت جلدی طے کر گئی تھی لیکن اس کے بالمقابل عیسائی قوم کی ترقی آہستگی سے ہوئی۔ وہ بہت جلدی اور فوراً روحانیت کے اعلیٰ مدارج پر نہ پہنچ گئی تھی بلکہ آہستگی سے روحانی مدارج پر چڑھی کیونکہ اس کی قربانی بھی آہستگی کے ساتھ ہوئی۔ سو جہاں قربانی فوری اور یکدم ہوگی وہاں ترقی تزکیہ اور روحانیت بھی فوری طور پر ترقی کرے گی۔ اور جہاں قربانی آہستگی کے ساتھ ہوگی وہاں ترقی۔ تزکیہ اور روحانیت بھی آہستگی کے ساتھ بڑھے گی۔ چونکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں قربانی فوری ہوئی۔ اس لئے ان کی ترقی بھی فوری ہوئی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جتنے بھی مثیل ہوں گے ان میں جلدی طہارت۔ تزکیہ نفس۔ روحانیت اور ترقی پیدا ہوگی اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں قربانی آہستگی کے ساتھ ہوئی اس لئے عیسوی مماثلت کے سلسلے میں جتنے سلسلے ہوں گے۔ ان میں طہارت۔ تزکیہ نفس۔ روحانیت اور عام ترقی آہستگی کے ساتھ ہوگی۔

چند دن ہوئے میں نے سنا بعض لوگ کہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو لکھا ہے تین ماہ میں اگر ایک پیسہ بھی چندہ دیدو تو کافی ہے مگر یہاں آپ خطبات سے بڑھا رہے ہیں۔ ایک آنہ فی روپیہ ماہوار آمد پر چندہ کر دیا گیا ہے اور ابھی اور بھی بڑھانے کا خیال ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ بعد میں آنے والوں نے چندہ کی شرح بڑھا دی۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ ایسا کیوں

کیا جاتا ہے۔ مَیں پہلے بتا چکا ہوں کہ مثیلِ موسیٰؑ کی ترقی جلد ہوتی ہے اور مثیلِ عیسیٰؑ کی بتدریج۔ اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مثیلِ عیسیٰؑ ہیں، اس لئے آپ کے سلسلہ کی ترقی بھی آہستگی کے ساتھ ہونی ہے اور جب ترقی آہستگی کے ساتھ ہونی ہے تو عیسوی سلسلے کی طرح اس کی قربانی بھی آہستہ آہستہ ہوگی جو آہستہ آہستہ بڑھتی رہے گی۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ مالی قربانی میں دن بدن اضافہ ہو۔ اسی طرح وصیت کا حصہ ہے۔ اس کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ یونہی اس کی شرح بڑھائی جا رہی ہے۔ مگر اس کے متعلق بھی سوچنا چاہیئے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت وہ شرح نہیں تھی جو اب ہے اور جس پر لوگ وصیتیں کر رہے ہیں تو یہ بھی اسی اصل کے ماتحت ہے کہ یہ ترقی آہستگی کے ساتھ ہونی تھی۔ اور جوں جوں قربانیاں بڑھ رہی ہیں تزکیہ اور طہارت بھی بڑھتی چلی جاتی ہے اور ایمانی حالت میں ترقی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ جو پھر الٹ کر زیادہ قربانی کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ مجھے اگر سلسلے کی ترقی کے لئے مال زیادہ جمع کرنے کا شوق ہے تو اس سے ہماری جماعت ہی کی شان بڑھتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ قربانی میں ترقی کرنے سے ہماری ایمانی حالت اور اخلاص لوگوں کے سامنے آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں اس درجہ پر جماعت کی حالت نہیں آئی تھی جس درجہ پر اب ہے اور جس درجہ پر کھڑے ہو کے جماعت کے عام افراد یکدم بڑی بڑی قربانیاں کر سکتے۔ مگر اب جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے ایمان اس رنگ میں آتا جاتا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اور گو یہ حالت قربانیوں سے ہی پیدا ہو رہی ہے جو آہستہ آہستہ ہو رہی ہیں۔

مگر جب یہ حالت پیدا ہو رہی ہے تو اس کا یہ بھی تو تقاضا ہے کہ پہلے سے بڑھ کر قربانیوں کی تحریک کرے پس چندہ اور وصیت وغیرہ کی شرح کا بڑھتا چلا جانا ایمانی حالت کے ترقی یافتہ ہونے کے نتیجے میں ہے گو یہ ترقی قربانیوں سے حاصل ہو رہی ہے مگر یہ ترقی قربانیوں کے لئے بھی ہمت دلا رہی ہے۔ کہنے والے یہ تو کہہ دیتے ہیں کہ شرح چندہ بڑھائی جا رہی ہے مگر نہیں دیکھتے کہ اس طرح ان کی ایمانی حالتوں کی تصدیق کی جا رہی ہے۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کثرت سے مال آنے کے متعلق بھی تو ارشاد فرمایا ہے کیا اگر جماعت نے اسی حالت پر رہنا ہوتا جس حالت میں وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں تھی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کہہ سکتے تھے کہ کثرت سے مال آئیں گے۔ حضرت صاحب کا یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ جماعت آہستہ آہستہ ترقی کرتی چلی جائے گی اور آخر اس مقام تک پہنچ جائے گی کہ مالوں کی قربانیوں کی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہ رہے گی۔

قرآن شریف میں آتا ہے کہ دس کافروں کے مقابلہ میں ایک مسلمان کافی ہے اور مسلمانوں کو

کہا بھی گیا ہے کہ تم میں سے ایک ایک کو دس دس کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ مگر باوجود اس کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی غزوہ میں بھی یہ حالت نہیں ہوئی کہ ایک مسلمان کو دس کافروں کا مقابلہ کرنا پڑا ہو۔ زیادہ سے زیادہ ایک مسلمان کو ۳½ کافروں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں دس سے بھی زیادہ کا مقابلہ کرنا پڑا۔ چنانچہ مسلمان ایک جنگ پر گئے ہوئے تھے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جرنیل تھے۔ مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ مدد بھیجی جائے۔ انہوں نے کہلا بھیجا۔ مَیں عقبہؓ کو بھیجتا ہوں۔ عقبہؓ ہزار آدمی کے برابر ہے۔ سمجھ لو کہ ہزار آدمی بھیج دیا۔ تو حضرت عمرؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھکر قربانی نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ بات یہ تھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں وہ حالات پیدا نہیں ہوئے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں پیدا ہو گئے تھے اور ادھر مسلمان بھی ترقی کر گئے۔

بعض وقت ایک عمل ہوتا ہے جو دوسرے دل میں رعب ڈال دیتا ہے اگر انسان خطرہ کے وقت اپنے حواس بجا رکھے اور اپنی ACCUMULATIVE POWER کا بجا استعمال کرے تو ایسا کام بھی کر لیتا ہے جو اس کی دھاک بٹھا دیتا ہے، خواہ وہ کمزور ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے تھے۔ رستم کے گھر میں ایک دفعہ چور آیا وہ رستم سے زیادہ طاقتور تھا۔ لیکن رستم کا نام چونکہ طاقت میں مشہور تھا۔ چور کو اس سے کبھی طاقت آزمائی کا موقعہ نہ ملا تھا۔ اس دن جب رستم نے پکڑا تو اس نے رستم کو گرا لیا۔ اور اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اس پر رستم نے چلا کر کہا۔ آگیا رستم آگیا رستم!! یہ سُنکر چور بھاگ گیا۔ یہ رستم کے نام کا اثر تھا کہ اس نے ایسے طاقتور کو بھگا دیا جس نے رستم کو گرایا ہوا تھا۔ تو عقبہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ بھی ایک طرح پر اسی رنگ کا ہے۔ عقبہؓ بڑا بہادر تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے یہ کہلا بھیجنے پر کہ یہ ہزار آدمی کے برابر ہے مسلمانوں کے دل میں تسلی پیدا ہو گئی۔

دنیا میں جب کوئی انسان کوئی کام کرتا ہے تو اسے اس کے لئے طاقت بھی مل جاتی ہے یہی حال یہاں بھی ہے۔ لیکن کام کرنے کا عزم ہونا چاہیئے۔ پس ہماری جماعت جو کام کرنے کے لئے خدا نے قائم کی ہے کیونکر ہو سکتا ہے کہ اگر وہ کوئی کام کرنا چاہے تو اسے اس کی طاقت نہ ملے لیکن کام حالات کے لحاظ سے کئے جاتے ہیں۔ چونکہ ابتدائی حالات کمزور ہوتے ہیں اس لئے ابتدائی کام بھی ہلکے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ابتدائی مطالبوں اور آجکل کے مطالبوں میں فرق نظر آتا ہے۔ پہلے جو مطالبہ کیا گیا وہ اس کی پہلی حالت کے مطابق تھا۔ پھر جو کیا گیا تو وہ اسکی دوسری حالت کے مطابق تھا۔ اسی طرح جیسے جیسے حالت ترقی کرتی چلی گئی، مطالبے بھی بڑھتے چلے گئے

پس یہ تو صحیح نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھکر مجھے اشاعت کا شوق ہے اور ان سے بڑھکر مجھے دین کی خدمت کرنے کا خیال ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر اشاعت اور خدمت دین کا شوق کیسے ہو سکتا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جاہلیت زیادہ تھی، لوگ بالکل ابتدائی حالت میں تھے۔ لیکن میرے زمانہ میں جو لوگ ہیں وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے تربیت یافتہ ہیں اس لئے اگر ان سے کوئی زیادہ مطالبات کئے جاتے ہیں تو وہ ان کی ترقی یافتہ حالت کے لحاظ سے ہیں اور پھر ان کو اور بھی ترقی دینے کے لئے ہیں۔ دیکھو اگر ایک مالک بیمار خادم سے تھوڑا سا کام لے کر اسے چھوڑ دے اور ایک داروغہ اس سے سارا دن کام لے جبکہ وہ تندرست ہے تو کوئی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ دیکھو جی مالک تو تھوڑا سا کام لے کر چھوڑ دیتا تھا۔ لیکن داروغہ اس سے سارا دن کام لیتا ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ اس وقت وہ بیمار تھا اور زیادہ کام نہیں کر سکتا تھا لیکن اس وقت تندرست ہے اور سارا دن کام کرنے کے قابل ہے۔ یہی حال ہماری جماعت کا ہے کہ ابتداء میں وہ ایسی قربانیاں نہیں کر سکتی تھی جیسی اب کر سکتی ہے۔ اور ایک زمانہ آ رہا ہے کہ اس میں جو قربانیاں ہماری جماعت کر سکے گی آج نہیں کر سکتی۔ پس جن دوستوں نے یہ خیال کیا ہے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ خدمتِ دین کا شوق رکھتا ہوں یا میں نے آپ کی مقرر کی ہوئی حد سے تجاوز کیا ہے یا میں نے چندوں اور وصیتوں کی شرح میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے، انہوں نے غلطی کی ہے۔ جو اس قسم کے خیال کو دل میں جگہ دی ہے ایسے خیالات ترقی کے راستے میں روک ہو جاتے ہیں۔ پس اگر میں اللہ تعالےٰ کی اس منشاء کو دیکھتے ہوئے کہ ان سلسلوں کی ترقی ان کی قربانیوں کی طرح آہستہ آہستہ ہوتی ہے جو عیسوی مماثلت رکھتے ہیں، اس تدریجی ترقی کے ساتھ ساتھ قدم نہ بڑھاؤں تو یہ ایک خلافِ قدرت فعل ہوگا۔ اور ہر وہ فعل جو خلافِ قدرت ہو خدا تعالےٰ کی ناراضگی کا باعث ہوتا ہے۔ اور اس کے کرنے سے کوئی شخص خدا کو خوش نہیں کر سکتا۔ حضرت صاحب نے جو کچھ کیا وہ تمہاری ابتدائی حالت کو مدنظر رکھ کر کیا مگر اب تمہاری ابتداء نہیں۔ اب خالی ایمان ہی نہیں بلکہ دس یا بیس یا تیس سال کی مجموعی طاقت بھی ساتھ ہے۔ اس لئے آج جس قربانی کی امید تم سے کی جا سکتی ہے، اس وقت نہیں کی جا سکتی تھی۔ اور جیسا کہ میں نے بتایا جو مثیل موسےٰ نبی تھے ان میں پہلے تزکیہ اور طہارت اور بعد میں قربانیاں ہوتی ہیں۔ اور جو مثیل مسیح ہیں ان میں تزکیہ قربانیوں کے بعد ہوتا ہے۔ یہی اصول یہاں بھی جاری ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت صاحب مثیلِ مسیح ہیں۔ پس ہمارا تزکیہ قربانیوں کے بعد ہے۔ جوں جوں ہم قربانیاں کرتے چلے جائیں گے توں توں ہمیں تزکیہ اور طہارت حاصل ہوتی جائے گی۔ اور جتنی دیر ہم قربانیاں

ہیں لگائیں گے اتنی دیر ہمیں تزکیہ حاصل کرنے میں ہوگی۔ پس اگر تزکیہ چاہتے ہو تو قربانی میں جلدی کرو۔
دونوں عیدیں مقررہ مہینوں کے بعد آتی ہیں اور ان دونوں میں یہ تمیز ہے کہ ایک عید تو مقررہ قربانیوں کے بعد آتی ہے اور ایک کے ساتھ یا بعد قربانی کی جاتی ہے۔ اسی طرح عیسوی سلسلوں میں قربانی پہلے ہوتی ہے اور تزکیہ پیچھے اور موسوی سلسلوں میں تزکیہ پہلے اور قربانی بعد میں۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام اپنی زندگی میں ہی بادشاہ ہوگئے لیکن حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنی زندگی میں بادشاہ نہ ہوسکے۔ بلکہ ان کے بعد ان کے پیروؤں کو بادشاہت ملی۔ یہی حال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔ پس نادان ہیں وہ جو کہتے ہیں ترقی نہیں کی۔ ہم کہتے ہیں ترقی بعد میں آتی ہے پہلے قربانیوں کو تو اس حد تک پہنچاؤ جس حد پر پہنچکر کھلی کھلی ترقیاں حاصل ہوتی ہیں۔
اس سے دونوں قسم کے سلسلوں کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ ہمارے لئے سبق ہے لیکن بڑا سبق اصلی واقعہ سے نکلتا ہے اور وہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی قربانی ہے۔
دنیا میں مختلف طبائع ہوتی ہیں، بعض لوگ ماں باپ سے محبت کرتے ہیں اور دوستوں یاروں کی پرواہ نہیں کرتے۔ بعض ماں باپ کے احکام کی اتنی قدر نہیں کرتے جتنی دوستوں کی خواہشات کی قدر کرتے ہیں۔ بعض دوستوں سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور رشتہ داروں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ بعض رشتہ داروں کی دلداری کرتے ہیں اور دوستوں کا خیال نہیں کرتے۔ پھر بعض ایسے ہوتے ہیں جن کے تعلقات بچوں سے زیادہ ہوتے ہیں اور بڑوں کی طرف وہ کبھی دیکھتے نہیں۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے خدا تعالےٰ کے لئے ان تینوں قسم کے تعلقات کی قربانی کی جب آپ نے دعوےٰ کیا تو رشتہ داروں اور دوستوں نے مقابلہ کیا، آپ نے ان کی پرواہ نہ کی۔ آپ نے اپنے اَبْ سے خدا کے لئے مقابلہ کیا۔ دوسرے اقران قوم سے محبتیں ہوتی ہیں آپ نے ان کا بھی مقابلہ کیا۔ دوستوں نے مخالفت کی دوستوں کا بھی مقابلہ کیا۔
شاید کوئی کہے ان کے ساتھ محبت نہ ہوگی۔ اس لئے ان کی محبت کو قربان کر دیا اور ان کا مقابلہ کیا۔ ان کے بالمقابل شاید اولاد سے زیادہ محبت ہوگی، کیونکہ عام طور پر ماں باپ کو بچوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ میں نے ایسے ماں باپ کو دیکھا ہے جو بچوں کی خاطر سب محلے سے لڑتے رہتے ہیں۔ تو دنیا میں مختلف طبائع ہوتی ہیں۔ کوئی کہہ سکتا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماں باپ دوست یار چھوڑ دیئے۔ ممکن ہے ان کے ساتھ زیادہ محبت نہ ہو اور بچوں کے ساتھ زیادہ محبت ہو، ان کو نہ چھوڑ سکتے۔ خدا نے کہا۔ اچھا لڑکے کی قربانی کر۔

لڑکا بھی اکلوتا لڑکا اور وہ بھی جو بڑھاپے میں ہوا۔ یہ تو خدا کا فضل تھا کہ اس کے بعد اسحٰقؑ بھی پیدا ہو گیا ورنہ امید نہیں تھی۔ اس وقت ایک ہی لڑکا تھا اور وہ اسمٰعیلؑ تھا۔ خدا نے جب اس کی قربانی کرنے کو کہا تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اب نہ اولاد، نہ دوست نہ ماں باپ تھے جو قربان کرنے سے رہ گئے۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لئے ان میں سے کسی کی پرواہ نہ کی۔ وہ سب کو قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ دوست بھی، ماں باپ بھی، اولاد بھی اور ساری اولاد، اس وقت اسمٰعیلؑ ساری اولاد ہی تھی۔ ماں باپ اور دوستوں کو قربان کر دیا۔ وطن کو چھوڑ دیا۔ اب کوئی رشتہ دار بھی نہیں مل سکتا تھا تو اس ساری قربانی کی یادگار میں اس عید کو قائم کیا گیا۔

اس قربانی کی حقیقت بتانے میں بائیبل اور قرآن میں فرق ہے۔ بائیبل جس رنگ میں اسے بیان کرتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تحریف ہو گئی ہے۔ لیکن قرآن کریم اسے جس عمدگی کے ساتھ بیان کرتا ہے اس سے اس واقعہ کی اصل حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ بائیبل کہتی ہے کہ خدا نے ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ اپنے اکلوتے اسحٰقؑ کو قربان کر۔ ابراہیمؑ نے کہا۔ قربانی کے لئے سامان نہیں۔ خدا نے کہا۔ یہ قربانی ضرور کرنی چاہیئے۔ تب ابراہیمؑ اسحٰقؑ کو باہر لے گئے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ اور قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ابھی چھری پکڑی ہی تھی کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے نے آواز دی۔ اس کو مت قربان کر اور ایک مینڈھا اس کے عوض قربان کرنے کے لئے وہاں موجود کر دیا گیا۔[۲۲] مگر قرآن شریف کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ لڑکے کو قربان کریں۔ بلکہ آپ نے رؤیا دیکھی تھی کہ وہ اپنے لڑکے کو خدا تعالیٰ کی راہ میں ذبح کر رہے ہیں۔ اور اس رؤیا کی بناء پر وہ اپنے لڑکے کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بائیبل کہتی ہے بیشک قربان نہیں کیا گیا مگر یہ ایک آزمائش تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کی گئی۔[۲۳] لیکن ہم کہتے ہیں آزمائش کس طرح ہو گئی کیونکہ آزمائش دو طرح ہوتی ہے۔ یا تو جس کی آزمائش کی جائے اسے بتانے کے لئے کہ تیرا ایمان پختہ ہے۔ یا دوسرے لوگوں کو بتانے کے لئے کہ یہ خدا تعالیٰ پر ایمان رکھنے میں اتنا مضبوط ہے لیکن جو آزمائش ابتلاء ہوتی ہے وہ نبی پر نہیں آتی۔ رہی قربانی، بائیبل کہتی ہے کہ یہ پوشیدہ قربانی ہوئی ہے کیونکہ عملاً ہوئی نہیں۔ اور اگر فی الواقع ہوئی نہیں تو یہ بات ہی لغو ہو جاتی ہے۔ رہی تیسری قسم کہ علی الاعلان قربانی ہو۔ مگر علی الاعلان ہوئی نہیں تو ان صورتوں میں اگر اس پر غور کیا جائے تو یہ الہام اگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہوا کہ لڑکے کی قربانی کر تو بے وجہ ہوا تھا کیونکہ جب وہ قربانی فی الواقع ہوئی نہیں تھی تو ایک ایسی بات کے لئے کسی کو کچھ کہنا جو کچھ کرنی ہی نہیں، بالکل بے وجہ ہے مگر قرآن شریف ان سب باتوں کے

بالمقابل اسے خواب بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں جسے انہوں نے چاہا کہ پورا کریں۔

قرآن شریف کے بیان کے مطابق یہ سب کچھ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب کا نظارہ تھا اور قرآن شریف کے بیان سے بڑھکر صحیح اور سچا بیان اور کس کا ہو سکتا ہے پس جبکہ یہ ایک خواب تھا تو یہ ضروری ہے کہ اس کی کوئی تعبیر ہو اور جب ہم واقعات پر نظر ڈالتے ہیں تو اس خواب کی تعبیر یہ ہوتی ہے کہ جب دیکھا کہ بیٹا قربان کر رہے ہیں تو یہ پیشگوئی تھی کہ وہ ایک دن اسے جنگل میں اپنے ہاتھ سے چھوڑ آئیں گے۔ قرآن شریف میں یہ الفاظ ہیں۔ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ اے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب حضرت ابراہیمؑ خود اپنے ہاتھ سے اسے جنگل میں چھوڑ آئے۔ اور جنگل بیابان میں چھوڑ آنے سے خواب پوری ہو گئی۔ مگر بائیبل جس رنگ میں یہ پیشگوئی بیان کرتی ہے وہ پوری نہیں ہوتی۔ تو جنگل میں چھوڑ آنا چھری پھیر دینے کے برابر ہو گیا۔ محبتوں پر چھری اسی طرح پھرا کرتی ہے کہ محبت کو قطع کر دیا جائے۔ دوستوں کی محبت اور رنگ میں انہوں نے قطع کی۔ ماں باپ کی اور رنگ میں اور اولاد کی اور رنگ میں۔ تو قرآن کے بیان میں حکمت ہے اور بائیبل میں ظالمانہ قربانی بتائی جاتی ہے۔

رہی یہ بات کہ کس کو قربانی کرنے کا حکم ہوا تھا۔ عیسائی کہتے ہیں اسحٰقؑ کو لیکن ہم کہتے ہیں اسمٰعیلؑ کو۔ کیونکہ جب یہ خواب دیکھی گئی تب ایک ہی ان کا بیٹا تھا اور وہ اسمٰعیلؑ تھا پس اسحٰقؑ کو قربان کرتے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں دیکھا تھا بلکہ اسمٰعیلؑ کو دیکھا تھا۔ کہ آپ اسے قربان کر رہے ہیں۔ پھر یہ قربانی صرف حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی نہیں تھی بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ کی بھی تھی۔ کیونکہ درحقیقت وہی تھے جو قربان ہو رہے تھے اور بائیبل میں تو جس کی قربانی ہے اس سے پوچھا بھی نہیں گیا کہ کیا تو بھی قربان کئے جانے پر راضی ہے یا نہیں اور صرف اتنا بیان کیا گیا ہے کہ اسحٰقؑ نے جب سوختنی قربانی کے سامان دیکھے تو باپ سے سوال کیا

"آگ اور لکڑیاں تو ہیں پر سوختنی قربانی کے لئے برہ کہاں؟"

جس کا جواب باپ کی طرف سے صرف یہ دیا گیا۔

"خدا آپ ہی اپنے واسطے سوختنی قربانی کے لئے برہ کی تدبیر کرے گا۔"[۲۴]

پس یہاں سے اگر کچھ نتیجہ نکلتا ہے تو یہی کہ صرف حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی کا ذکر ہے۔ اور جس کی قربانی کی جانی ہے اس کی آمادگی کا کوئی ذکر نہیں اور نہ ہی اس سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا ہے۔ حالانکہ مرنے والے کی قربانی بڑی ہوتی ہے تو بائیبل میں تو صرف حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی کا ذکر آتا ہے۔ لیکن قرآن شریف بتاتا ہے

کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے اسمٰعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں تو انہوں نے بعد میں اسمٰعیلؑ سے اس کے متعلق پوچھا۔ چنانچہ قرآن شریف میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی یعنی اے بیٹے! میں خواب میں دیکھ تو رہا ہوں کہ تمھیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب تمہاری کیا منشاء ہے، کیا تم چاہتے ہو کہ فی الواقع تم ذبح کر دیئے جاؤ۔ اگر تیری مرضی ہو تو میں اس کام کو کروں۔ گو یہ کام میرے ہاتھوں ہونا ہے مگر ہے درحقیقت قربانی تیری۔ کیونکہ تم نے قربان ہونا ہے۔ بائیبل تو اپنے بیان سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نعوذ باللہ دھوکہ باز قرار دیتی ہے۔ مگر قرآن میں ایسا نہیں ہے بلکہ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی کے الفاظ اس میں موجود ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت اسمٰعیلؑ سے پوچھتے ہیں۔ آیا تو تیار ہے۔ اگر تو تیار ہے تو پھر یہ کام کیا جائے۔ ان دونوں بیانات میں کتنا عظیم الشان فرق ہے اور واقعہ کی نوعیت بتاتی ہے کہ قرآن کریم کا بیان سچا ہے۔ بائیبل تو کہتی ہے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت اسحٰقؑ کو بتاتے ہی نہیں کہ میں تمھیں قربان کرنے کے لئے جاتا ہوں مگر قرآن صاف بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے صاف صاف حضرت اسمٰعیلؑ کو بتا دیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ پھر بائیبل اپنے بیان کو یہیں تک چھوڑ دیتی ہے۔ لیکن قرآن آگے اس بات کو بھی بیان کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ان کی مرضی بھی دریافت کی۔ پھر یہی نہیں کہ صرف یہ سوال کر دیا ہو کہ تیری اس کے متعلق کیا مرضی ہے بلکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے جواب کو بھی بیان کر دیا۔ کہ اے باپ! جو کچھ تجھے حکم دیا گیا ہے بلا تامل اسے پورا کر۔ انشاء اللہ تعالیٰ تو مجھے صابرین میں سے پائے گا۔ اس سارے واقعہ کو قرآن شریف میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى۔ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ۔ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۔ یعنی جب اسمٰعیلؑ سیانے ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خواب ان کے سامنے بیان کیا اور ان کی مرضی دریافت کی۔ جس کا جواب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ دیتے ہیں۔ یعنی اے باپ! آپ اس کے متعلق اپنا حصہ ادا کریں۔ میں اپنا حصہ ادا کرونگا یہ سچی قربانی تھی جس میں قربان ہونے والے کی رضامندی بھی شامل تھی۔

رہی یہ بات کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے کیوں آمادگی ظاہر کی۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء پہلے دستوروں کو قائم رکھتے ہیں اور اس وقت تک ان کو قائم رکھتے ہیں جب تک وہ دائمی صداقتوں کے خلاف نہ ہو جائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں انسانی قربانی ہوتی تھی۔

وہ جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ مجھ سے ناجائز کام نہیں کرائے گا، اس کے ہاتھ میں میرا ہاتھ ہے اگر وہ اس کی منشاء کے خلاف چلنے لگے گا تو اسے روک لے گا۔ اور ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں انسانی قربانی کے خلاف کوئی نص نہ تھی۔ پس یہ اس زمانہ میں شرعی حکم تھا جس کے سامنے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو جھکا دیا۔ اور ذبح کئے جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس انسانی قربانی کا رواج حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیانی زمانہ میں ہوا۔ پس حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس بات کا کوئی الزام نہیں آسکتا۔ کیونکہ آپ انسانی قربانی کے لئے آمادہ ہوئے اور ایسا ہی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پر بھی کوئی الزام نہیں آسکتا کہ کیوں آپ نے اپنے آپ کو اس قربانی کے لئے پیش کر دیا اور آمادگی ظاہر کر دی۔

بعض کام خدا تعالیٰ بعض خاص خاص لوگوں کے ہاتھ سے اس لئے کراتا ہے کہ وہ دوسروں کے لئے سبق ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ کی یہ قربانی درحقیقت اولاد کی محبت کی قربانی تھی۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بیٹا کہلانے والے شخص کی بیوی سے نکاح پڑھایا گیا جس سے یہ بات بتانی مقصود تھی کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اس وقت عرب میں یہ دستور تھا کہ جس کو بیٹا کہہ دیتے وہ بیٹا ہو جاتا۔ اور پھر اس کی بیوی سے وہ شخص جس کا کہ وہ بیٹا کہلاتا نکاح نہ پڑھا سکتا۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے خدا تعالیٰ نے یہ کام کرا کر بتا دیا کہ یہ دستور غلط ہے اور آئندہ اس سے بچا جائے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے اولاد کی محبت کو خدا کی محبت کے لئے قربان کر دینے کا فعل کرا کے بتا دیا کہ خدا کی محبت کے سامنے کسی اور کی محبت دل میں نہیں ہونی چاہیئے اور اگر ہو تو اسے قربان کر دینا چاہیئے۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظاہر طور پر اس خواب کو پورا کرنے کے لئے جونہی حضرت اسمٰعیلؑ کو لٹایا۔ آواز آئی کہ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا۔ اے ابراہیمؑ تو ضرور ہی اپنی خواب کو پورا کرے گا۔ جب تو نے اس کو ظاہری صورت میں پورا کرنے کے لئے تیاری کر دی تو جو معنے اس کے فی الواقع ہیں۔ وہ بھی ضرور پورے کرے گا۔ صَدَّقَ کے معنے ہیں سچا سمجھنا یعنی تجھے اپنی خواب پر بڑا ہی یقین ہے تو نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ شائد اس کے کچھ اور معنے ہوں اور اس کو پورا کرنے پر تل گیا۔ قَدْ وقوعہ پر دلالت کرتا ہے کہ ہو چکا ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خواب کے مطابق پورے یقین اور ایمان کے ساتھ اس رنگ میں اس کام کے کرنے کا تہیہ کیا کہ گویا وہ کر ہی لیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے خواب پر پورا پورا بھروسہ تھا اور یہ بھی یقین تھا کہ خدا تعالیٰ میرا ہاتھ ناجائز بات پر نہیں اُٹھنے دے گا۔ اسی بناء پر انہوں نے یہ کام کیا۔ چنانچہ ان کے ایمان اور یقین اور آمادگی کو دیکھ کر خدا تعالیٰ نے کہا کہ تو نے گویا

اس کام کو کر ہی لیا۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس فرمانبرداری کا یہی نتیجہ ہے کہ بائیبل میں ان کے متعلق آتا ہے۔ اے ابراہیم! مَیں تیری نسل کو ریت کے ذرّوں کی طرح بڑھاؤنگا اور وہ کمیّت اور تعداد اور زمانہ اور مکان کے لحاظ سے بھی بڑھے گی اور دنیا کے پھیلاؤ کے لحاظ سے وہ پھیلے گی اور ہر زمانہ کے لحاظ سے اسے برکت دی جائے گی۔ یہ سب ابراہیمی قربانی تھی جو اس قدر پھل لائی۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ ابراہیمی قربانی کیا تھی۔ وہ قربانی بالیقین ترقیوں کا ذریعہ تھی جس کے ذریعہ ان کی نسل بڑھی پھلی اور پھولی۔ آج ہمیں بھی یہی دیکھنا چاہیئے اور ہمیں بھی کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم بھی خدا کی محبت کے سامنے سب محبتوں کو قربان کر سکیں تاہم بھی ترقی حاصل کرنے والے بنیں۔ اگر کوئی قوم ضائع ہوتی ہے تو اسے دیکھنا چاہیئے کہ کس طرح وہ بچ سکتی ہے اس کا ضائع ہونے سے بچنا اور غالب آنا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ ابراہیمی قربانی کرے۔ ابراہیمی قربانی کیا ہے۔ خاندان کے تمام افراد کی قربانی ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ آپ نے خواب میں دیکھا مَیں قربانی کر رہا ہوں۔ اور اس کے مطابق قربانی کرنے کی آپ نے کوشش بھی کی۔ مگر چونکہ خدا تعالےٰ کی یہ منشاء نہ تھی اس لئے وہ اس رنگ میں نہ ہوئی بلکہ اس رنگ میں ہوئی جو خدا تعالےٰ کی منشاء کے مطابق تھا۔ اور خدا تعالےٰ کی منشاء یہ تھی کہ وہ اپنی اولاد کی محبت کو قربان کردیں اور اسے دُور جنگل میں چھوڑ آئیں۔ خاندان کا مجموعہ مرد بیوی اور اولاد ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کا بھی یہی مجموعہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود، حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ۔ یہ تینوں تھے جن سے یہ خاندان تھا۔ مگر خدا کے لئے آپ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی ماں ہاجرہ کو دور جنگل میں چھوڑ دیا اور یوں ان کی محبتوں کو قربان کر دیا۔ وہ چھری جو خواب میں اولاد کو ذبح کر رہی تھی، وہ یہی تھی جو اس رنگ میں چلی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ صرف اپنی اولاد کی قربانی کی بلکہ خدا کے لئے اپنی اولاد کے ساتھ اپنی بیوی کی بھی قربانی کر دی۔ پس یہ قربانی اکیلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی نہ تھی بلکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کی بھی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تو اس طرح کہ وہ خدا کے لئے اپنے لڑکے کو جنگل میں چھوڑ آئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اس طرح کہ انہوں نے خدا کے لئے جنگل میں چلے جانا منظور کر لیا۔ اور حضرت ہاجرہ کی اس طرح کہ وہ خدا کے لئے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو لے کر جنگل میں چلی گئیں۔ اس وقت اسحٰق نہ تھے، وہ بعد میں پیدا ہوئے تھے یہ قربانی صرف ان تینوں کی تھی۔ اور ان تینوں کی ہی قربانی مکمل ہوگئی اور یہ اس قربانی کا مکمل ہونا ہی تھا جس کے بعد خدا تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ وعدہ کیا کہ تیری اولاد

ستاروں کی طرح بے شمار ہوگی اور جہاں کہیں وہ جائے گی برکت دی جائے گی۔ تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ قربانی ترقیات کا باعث ہوگئی۔

اب بھی ترقی پانے کا یہی راستہ ہے۔ کوئی قوم ترقی نہیں پا سکتی جب تک اس قوم کے تمام مرد تمام عورتیں اور تمام بچے قربانیاں نہیں کرتے۔ دنیا میں وہی قومیں بڑھیں جن کے مرد بھی اور عورتیں بھی اور بچے بھی قربانیاں کرتے رہے۔ پس یہ جو عید ہے یہ درحقیقت ہمیں قربانیوں کا سبق دیتی ہے اور اس بڑی قربانی کو یاد کراتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی اور جس کے سبب وہ ترقی پا گئے۔ یہ قربانیوں کی عید ہے۔ بے شک ہم اس موقع پر جانوروں کی قربانیاں کرتے ہیں لیکن یہ قربانیاں ہمیں دوسری قربانیاں کرنے کا سبق پڑھانے والی بنیں تب حقیقی قربانیاں ہیں۔ اس لئے مَیں پھر کہتا ہوں کہ ان قربانیوں کی طرف بھی توجہ کرو، چھوٹا ہو یا بڑا، عورت ہو یا مرد، ہر ایک اس قسم کی قربانیوں کے لئے تیار ہو کیونکہ ان کے بغیر ترقی نہیں ہو سکتی۔ لیکن مَیں دیکھتا ہوں کہ بعض مرد تو قربانیاں کرتے ہیں مگر ان کی بیویاں اور بچے نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ترقی نہیں ہوتی۔ پس چاہیئے کہ سب کے سب دین کے لئے قربانیوں میں لگ جائیں۔ اگر مرد قربانیاں کرنے والے ہوں اور عورتیں اور بچے نہ ہوں تو یہ بھی کوئی عمدہ بات نہیں۔ اور اگر مرد اور عورتیں قربانیاں کرتے ہوں اور بچے نہ کرتے ہوں تو پھر بھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ پھر اگر مرد اور بچے قربانیاں کرتے ہوں اور عورتیں نہ کرتی ہوں تو یہ بات بھی ترقی کے لئے مضر ہے۔ ترقی صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ مرد بھی قربانیوں میں لگے ہوئے ہوں۔ عورتیں بھی قربانیوں میں لگی ہوئی ہوں اور بچے بھی قربانیوں میں لگے ہوئے ہوں۔ ان قربانیوں کے ساتھ ساتھ اولاد کی تربیت بھی ہے۔ ایک عورت اگر اپنی اولاد کی تربیت عمدہ کرتی ہے تو یہ بھی اس کی ایک قربانی ہے کیونکہ وہ ایسے مرد تیار کر رہی ہے جو قوم کے لئے مفید ہو سکتے ہیں لیکن اگر عورتیں تربیت نہیں کرتیں اور اولاد کی تربیت ایسی نہیں ہوئی جو وقت پر قوم کے لئے مفید ثابت ہو تو وہ کوئی نقش پائیدار نہیں چھوڑ رہیں۔ پس عورتوں کو بالخصوص چاہیئے کہ وہ ان قربانیوں کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کی تربیت کو بھی اچھا بنائیں۔ یہ عید ہمیں قربانی سکھاتی ہے، ہمیں چاہیئے کہ جو کچھ یہ سکھاتی ہے اس پر عمل کریں۔ اگر ہم اپنے آپ کو تو قربان کرتے ہیں اور اپنی عورتوں اور بچوں کو قربان نہیں کرتے تو یہ بھی ہمارے لئے مفید نہیں۔ ہمارے لئے مفید یہی ہے کہ ہم اپنے آپ کو بھی قربان کر دیں اور بیوی بچوں کو بھی قربان کر دیں اور نہ صرف یہ بلکہ ان میں خود قربان ہونے کی روح پیدا کریں۔ تب جا کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے ابراہیم جیسی قربانی کی۔ پس یہ ایک عظیم الشان سبق ہے جو اس قربانی سے ہمیں ملتا ہے اور جس کی یاد کے لئے

ہر سال یہ عید کا دن آتا ہے۔ اگر ہم اس بات کو مدنظر رکھیں کہ یہ دن ہمیں اپنی قربانیوں کا اپنی عورتوں کی قربانیوں کا اور اپنے بچوں کی قربانیوں کا سبق سکھاتا ہے تو یہ دن ہمارے لئے ایسا ہی ہوگا جیسے اور دن۔ پس ہمیں اس سبق کو جو اِن قربانیوں سے ملتا ہے اور جس کی یاد کے لئے یہ دن ہر سال ہم پر آتا ہے، ہر وقت یاد رکھنا چاہیئے۔

بعض لوگ خود تو قربانی کرتے ہیں مگر اپنے بیوی بچوں کی قربانیاں نہیں کر سکتے۔ حضرت صاحب کے ایک مرید تھے جو بڑی قربانیاں کرتے رہتے تھے۔ لیکن ایک دفعہ ان کی بیوی سے کوئی حرکت سرزد ہوئی، حضرت صاحب اس پر ناراض ہوئے تو اس شخص نے کہا کہ میں تو قادیان چھوڑ دوں گا۔ اب اس سے بالکل ہی قادیان چھٹ گئی ہے۔ اسی طرح ایک لڑکے نے ایک مہمان کو تکلیف دی جس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے تھپڑ مارا۔ اس سے اس کا باپ بہت بگڑا مگر جلد ہی اس نے معافی مانگ لی۔ تو بعض آدمی اپنی تو قربانی کر لیتے ہیں مگر اپنی بیوی اور بچوں کی نہیں کرتے، اس لئے وہ ترقی کرنے سے بھی رہ جاتے ہیں، اسی لئے قوموں کی ترقی کا اندازہ لگانا چاہیئے جو قومیں یہ تینوں قسم کی قربانیاں کرتی ہیں، وہی ترقی کرتی ہیں۔ پس میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اگر ترقی کے خواہشمند ہیں تو ان قربانیوں کو کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں۔ جب تک یہ قربانیاں نہیں ہوتیں کوئی قوم آگے نہیں بڑھ سکتی۔ آگے بڑھنا تو کجا اپنے اصل مقام پر بھی قائم نہیں رہ سکتی بلکہ پیچھے گرنے لگ جاتی ہے۔ بعض لوگ تھوڑی سی قربانی کر کے متٰی نصر اللہ کہہ اٹھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں نصر اللہ انسان کے اپنے اعمال پر آتی ہے۔ انسان اعمال اس قسم کے بنائے کہ نصر اللہ لانے والے ہوں پھر اگر نصر اللہ نہ آئے تو کہہ سکتا ہے متٰی نصر اللہ۔ لیکن اگر وہ اعمال تو اس رنگ میں نہ کرے کہ نصر اللہ آئے لیکن متٰی نصر اللہ کی پکار لگاتا رہے تو یہ اس کی نادانی ہوگی۔ خدا اس عید کے ذریعہ بھی یہ بتانا چاہتا ہے کہ مرد بچے اور عورتیں جب تک ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اور ہاجرہ کی طرح قربانیاں نہ کریں متٰی نصر اللہ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں اگر وہ اپنی قربانیوں کو ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اور ہاجرہ کی قربانیوں جیسا بنالیں اور پھر نصر اللہ میں دیر ہو تو کہہ سکتے ہیں متٰی نصر اللہ۔ پس اگر تم نصر اللہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی اور اپنی بیوی اور بچوں کی قربانیوں کو ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ اور ہاجرہ کی قربانیوں جیسا بناؤ۔

مَیں ابھی اور باتیں بھی کہنا چاہتا تھا۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ خطبہ لمبا ہو گیا ہے اس لئے مَیں اس کو اسی جگہ بند کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالےٰ ہم سب میں ایسا اخلاص تقوٰی اور طہارت پیدا کرے کہ سچے طور پر اپنی اولاد اور اپنے بچوں اور اپنی بیویوں کی قربانیاں کر سکیں

اور ہم اپنے اعمال سے وہ نقش دائم و قائم رکھ سکیں جس کے متعلق اس نے فرمایا ہے کہ اگر انسان کوشش کرے تو وہ ہمیشہ رہ سکتا ہے۔ وہ ہماری کمزوریوں کو دُور کرے اور ان کی وجہ سے ترقیوں میں روک نہ ڈالے اور ہم وہ عہد پورا کرنے والے ہوں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باندھا اور پورا کیا۔ مَیں اپنے لئے بھی اور یہاں کے دوستوں کے لئے بھی اور باہر کے لوگوں کیواسطے بھی اور تمام مخلوق کے لئے بھی دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالےٰ سب کی مدد کرے اور انہیں ہر قسم کی قربانیاں کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ‘‘

(الفضل ۱۳ر جولائی ۱۹۲۶ء صفحہ ۵ تا ۱۲)

۱؎ ۔ الصّٰفّٰت ۳۷ : ۸۴ تا ۱۱۰
۲؎ ۔ انسائیکلوپیڈیا ریلیجس اینڈ ایتھکس جلد ۱۱ صفحہ ۳۳
۳؎ ۔ البقرہ ۲ : ۱۴۴
۴؎ ۔
۵؎ ۔ صحیح بخاری کتاب الاضاحی باب قسمۃ الامام الاضاحی بین الناس
سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی ۔ نیل الاوطار ۱۳۶/۵
۶؎ ۔ صحیح بخاری کتاب المناقب باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للانصار اصبروا حتّٰی تلقونی علی الحوض ۔
۷؎ ۔ صحیح بخاری کتاب الاشربۃ باب ھل یستأذن الرجل من عن یمینہ فی الشرب لیعطی الاکبر ۔
۸؎ ۔ سفینۃ الاولیاء مصنفہ داراشکوہ صفحہ ۴۲
۹؎ ۔ نیا تذکرۃ الاولیاء مؤلفہ رئیس احمد جعفری صفحہ ۲۴۸ و صفحہ ۲۴۹ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء ۔ گلدستہ کرامات صفحہ ۱۷ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء
۱۰؎ ۔ مرقس باب ۲ آیت ۲۳
۱۱؎ ۔ متی باب ۹ آیت ۱۵
۱۲؎ ۔ صحیح مسلم کتاب الصیام باب اجر المفطر فی السفر اذا تولّی العمل
۱۳؎ ۔ گنتی باب ۱۱ آیت ۲۶
۱۴؎ ۔ گنتی باب ۱۱ آیت ۲۹
۱۵؎ ۔ ملفوظات جلد ۶ صفحہ ۱۴ (حاشیہ)

[۱۶] ۔ الوصیت صفحہ ۲۹ – ۳۰ مطبوعہ سنہ ۱۹۶۱ء

[۱۷] ۔ الانفال ۸ : ۶۶

[۱۸] ۔ روی انہ لمّا اجتمعتِ الرُّوم یوم الیرمُوك استغاث ابوعبیدة عمرؓ فامدّہٗ بسعید بن عامر (اسد الغابہ ۲/۳۱۱)

[۱۹] ۔ رستم کسریٰ ایران کا ایک مشہور و رطاقتور جرنیل تھا۔

[۲۰] ۔ اس قسم کی روایت حضرت سعید بن عامر کے بارے میں بیان ہوئی ہے (فتوح الشام واقدی جزء ا صفحہ ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۱۸ و الفاروق مؤلفہ شبلی نعمانی صفحہ ۱۲۹)

[۲۱] ۔ پیدائش باب ۲۲ آیت ۲

[۲۲] ۔ پیدائش باب ۲۲ آیات ۱۰ تا ۱۳

[۲۳] ۔ الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۰۳

[۲۴] ۔ پیدائش باب ۲۲ آیت ۷-۸

[۲۵] ۔ الاحزاب ۳۳ : ۳۸ ۔ تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۱

[۲۶] ۔ پیدائش باب ۲۲ آیات ۱۵ تا ۱۷

[۲۷] ۔ حیات النبیؐ ۔ مصنفہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی حصہ سوم صفحہ ۳۲۹ مطبوعہ نومبر سنہ ۱۹۲۷ء

[۲۸] ۔ یہ واقعہ حضور رضی اللہ عنہ کے سامنے رُونما ہُوا (واللہ اعلم بالصواب) اس کے لئے کوئی حوالہ دینے کی ضرورت نہیں۔